محمد حسن عسکری کے نام چند نو دریافت مکاتیب

(تعارفیہ)

اردو افسانہ و تنقید کے ایک معتبر نام کی حیثیت سے محمد حسن عسکری کی حیثیت اب مسلمہ ہے۔ مگر ہمارے ادبی مباحث میں تنقید کو چونکہ زندگی کے بڑے سوالات کھوجنے سے سروکار نہیں اس لیے محمد حسن عسکری کو اگر اردو تنقید کا بڑا نام کہہ بھی دیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہی سمجھا جاسکتا ہے کہ اردو تنقید نے جن عمومی مسائل سے دلچسپی رکھی اس میں عسکری نسبتاً بہتر کارکردگی دکھا کر داخل دفتر ہوگئے ہیں۔ ہماری ادبی و فکری جولانیوں کی سطح دلچسپی کے پیش نظر اس سے زیادہ کی توقع شاید ممکن بھی نہیں۔ اس لیے عسکری کے بارے میں کوئی صیغہ تفضیل استعمال کئے بغیر آئندہ سطور میں آنے والے مباحث کے لیے ایک سرسری منظر نامہ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ تاکہ یہ پتا چل سکے کہ اردو کے ایک نقاد کی بصیرت محض ادبی حدود سے آگے نکل کر اردو زبان و ادب میں کن کن مباحث کے دروا کر گئی ہے۔

اردو کے ادبی اور تہذیبی منظر نامے میں ۱۹۳۰ کے بعد نئے ادب کی تحریک ایک بھونچال کے طور پر آئی تھی جس نے ادبی و ثقافتی محاذ پر وہ ہلچل پیدا کی جو اس کے بعد ہماری ادبی زندگی کے اس پیمانے پر آج تک نہیں دیکھی گئی۔ علی گڑھ تحریک کا ردعمل جمال پرستی کی صورت میں اور اس کا ردعمل حقیقت نگاری کے رنگ میں آیا اور پھر ''نئے ادب'' نے اپنے اپنے ادبی مذاق کے تحت ترقی پسندی اور حلقہ ارباب ذوق کے روپ دھارے۔ برصغیر پاک و ہند کی سیاسی تاریخ نے بھی اسی دور میں اب تک کی آخری بڑی کروٹ لی۔ ہندو مسلمان تہذیب و ثقافت کا جھگڑا دو الگ الگ ملکوں کی شکل میں منتج ہوا اور پھر نئی آویزشوں کی کچھ صورتیں بنیں۔ روایتی ادبی شعور اور مغربیت کی کشمکش کا سیاسی و ثقافتی اونٹ اگر کسی ایک کروٹ بیٹھا بھی تو تہذیب و ثقافت کے سینکڑوں مسائل نئے لباس میں جلوہ گر ہوگئے۔

اس تمام صورتحال میں محمد حسن عسکری کا قلم کم و بیش ۴۰ برس رواں رہا۔ ان کا ابتدائی شغف فکشن اور افسانہ سے تھا۔ تحریری زندگی کا آغاز ۱۹۳۹ء میں کیا اور ایک منفرد اسلوب کے حامل افسانہ نگار کے طور پر اپنے مخالفوں سے بھی داد لی۔ عسکری کے ذہن میں اردو کے کلاسیکی و جدید ادب اور معاصر ادبی مسائل کی جو تصویر تھی اور برصغیر پاک و ہند کی مذہبی، سیاسی، ثقافتی و تہذیبی صورت کا جو نقشہ سا تھا، اور معاصر دنیا کی سیاست و ادبی نظریہ بازی کو جس طرح وہ ادبی، تہذیبی و مذہبی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہوا محسوس کر رہے تھے اس سے تخلیق کار عسکری کے بطن سے نقاد عسکری نے جنم لیا۔ وہ جب تخلیق کار تھے تو منفرد تنقیدی بصیرت ان کے افسانوی شعور میں کارفرما تھی اور نقادی شروع کی تو ایک لمحے کے لیے بھی تخلیقی سرگرمی کے برتری کے احساس سے خالی نہ ہوئے۔ وہ مغربی ادب کے طالب علم اور استاد تھے۔ انہوں نے مشرقی و مغربی ادب کو ہمیشہ فکری تاریخ کے جلو میں جانا اور پڑھا تھا۔ مغرب کی فکری تاریخ کی ہر کروٹ کو وہ ادب میں منعکس دیکھتے تھے اور اپنے ادبی شعور کو فکری تاریخ کے ماضی حال، مستقبل کے مختلف دھاروں کا آئینہ اور چراغ بنا کر اسے اپنے عصر کی روح کی لرزشوں کو ماپنے کا ذریعہ بناتے تھے۔ ان کے ادبی حاصلات نے ان کے سامنے جو سوالات لا کھڑے کئے ان سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہماری معاصر زندگی جن خوفناک سوالات سے دوچار ہے نہ تو اس کے اسباب محض ادب میں پوشیدہ ہیں نہ ان کے حل صرف ادب تک محدود رہ کر تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

عسکری کی چالیس سالہ ادبی زندگی کے سوالات جو اپنی تمام جزیات کے ساتھ ان کے افسانوں، تراجم اور تنقید میں بکھرے پڑے ہیں، انہیں دیکھ کر ایک بات بلامبالغہ کہی جاسکتی ہے کہ اقبال کے بعد ان مسائل کی پیچیدگیوں کو عسکری سے زیادہ کسی نے نہیں سوچا۔ عسکری کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ آج مقامی اور بین الاقوامی سطح پر ہم جس ماحول، معاشرے اور فکری دھارے کے اندر رہنے پر مجبور ہیں وہاں ہماری کیا حیثیت ہے؟ ان حالات میں اپنے قومی، ملی، تہذیبی اور مذہبی شعور کی صحیح شناخت کے ساتھ زندہ رہنا اور اس شناخت کو اپنے ادب میں منعکس رکھنا کس حد تک ممکن ہے اس راہ میں کون کون سی مشکلات درپیش ہیں یہ تاریخ کے کن اسباب کی پیدا کردہ ہیں اور اگر ہم ان مشکلات سے نکلنا چاہیں تو اس کے لیے ہمیں کیا کیا اختیار اور کیا کیا قربان کرنا پڑے گا۔ عسکری نے یہ سوالات ادبی تخلیق و تنقید کی حدود کے اندر رہ کر اٹھانے شروع کیے اور پھر وہ ان مسائل کے ماورائے ادب سرچشموں کی طرف چلے گئے۔

ذاتی زندگی میں وہ ایک کم گو اور کم ملن آدمی تھے مگر اپنے مطالعے کے ذریعے وہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ عالمی ادبی و فکری مسائل اور اپنے عصر کے تاریک اور آتشیں لمس سے ہولناک حد تک جڑے ہوئے تھے۔ ان کے قلم نے اس آتشیں احساس کو فکر کی زبان میں نہیں بلکہ حسی اسلوب میں لکھا ہے۔ اس داستان کو پڑھنے کے لیے آدمی کے شعور کو جھلسا دینے والے کرب سے گزرنا پڑتا ہے، بشرطیکہ وہ اپنے وجود اور تہذیب کے ان سرچشموں سے کوئی زندہ رابطہ رکھتا ہو جن کے ساتھ عسکری جڑے ہوئے تھے۔

عسکری جس تواتر سے مضامین لکھتے تھے اسی تواتر سے وہ اپنے احباب کو خطوط بھی لکھتے تھے۔ ان کے قلم سے نکلنے والی کوئی تحریر بشمول خطوط محض تفریح اوقات کے لیے کم ہی ہوتی تھی۔ ان کے خطوط کے متعدد مجموعے چھپ چکے ہیں ان کے لیے تنقیدی مضمون اور خطوط میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ وہ افسانے تنقیدی شعور کے ساتھ لکھتے تھے اور تنقید لکھتے ہوئے تخلیقی تجربہ ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ اسی طرح ان کے خطوط میں بعض اوقات مقالہ/مضمون/خط کا فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کے خطوط کے جو مجموعے ابتک آئے ہیں ان میں ڈاکٹر آفتاب احمد کے نام چند اور شمس الرحمٰن فارقی کے نام اکثر خطوط اس کے گواہ ہیں۔

عسکری اردو کے ایسے نقاد ہیں جن کی شاید ہی کوئی تحریر ایسی ہو جس پر اپنے زمانے کے بہترین اذہان نے کوئی نہ کوئی ردعمل نہ دیا ہو۔ ان کی بعض تحریروں پر تو باقاعدہ مباحث اٹھے۔ اسی طرح جب ان کے خطوط شائع ہوئے تو ان پر بھی کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور کھڑا ہوا۔ ایسا صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لکھنے والا اپنے دور کے زندہ مسائل کی نازک رگوں کو چھیڑنے کا فن جانتا ہو۔ عسکری بلاشبہ ایک ایسے ہی آدمی تھے۔ عسکری کے اب تک شائع خطوط کی حیثیت ''عسکری بنام فلاں'' کی ہے۔ عسکری کا زمانہ (زمانہ تحریر ۱۹۴۰-۱۹۷۸) جدید اردو ادب کے بہترین لوگوں کا زمانہ رہا ہے۔ کیا ان لوگوں نے بھی عسکری کو خطوط لکھے تھے؟ قیاس ہے کہ ایسا یقیناً ہوا ہوگا۔ عسکری اپنی تحریروں کے معاملے میں لاپروائی کی حد تک بے نیاز واقع ہوئے تھے۔ ذاتی کتب خانے میں ان کی اپنی تحریریں بہت کم دستیاب تھیں۔ مگر کیا ان کے نام دوسروں نے جو کچھ بشکل خطوط لکھا اس کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا؟ اب تک کے شواہد تو یہی بتاتے تھے۔ ان کے ورثا میں سے دو زندہ بھائیوں محمد حسن مثنیٰ اور محمد حسن رابع کا بھی ابھی کچھ عرصہ قبل تک یہی خیال تھا۔

محمد حسن عسکری کا انتقال جنوری ۱۹۷۸ میں کراچی میں ہوا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے کتب خانے کا بڑا حصہ بیدل

لائبریری کراچی کو منتقل ہوگیا۔ اور چند ایک ذاتی نوعیت کی چیزیں ان کے بھائی اپنے ساتھ لاہور/راولپنڈی لے آئے تھے اور بس۔مگر اب کم وبیش ۳۵ برس بعد محمد حسن مثنیٰ صاحب کو پرانے کاغذات کے پلندے میں عسکری کے نام آئے بہت سے شعرا، ادبا اور علماء کے خطوط ملے ہیں جن میں سے چند انہوں نے ازرہ عنایت ''معیار'' میں اشاعت کے لیے دیئے ہیں۔ ان خطوط کا اتنے طویل عرصے تک محفوظ رہ جانا بجائے خود ایک نادر واقعہ ہے۔ باقی خطوط کے بارے میں کچھ کہے بغیر سردست زیرنظر مکتوبات کے حوالے سے چند سرسری باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔

ان مکتوب نگاروں میں سے ایک اپنے انداز کے منفرد ومعروف عالم اور محقق ڈاکٹر حمیداللہ مرحوم ومغفور ہیں اور دوسرے فرانسیسی عالم میشل والساں (Michel Valsan) ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط اردو میں جبکہ میشل والساں کے فرانسیسی میں ہیں ۔ والساں کے خطوط کا ترجمہ جناب ڈاکٹر قیصر شہزاد صاحب کا کیا ہوا ہے۔ جو شعبہ عقیدہ وفلسفہ، کلیہ اصول الدین، اسلامی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اور انگریزی وفرانسیسی زبان کے ساتھ ساتھ فلسفہ قدیم و جدید اور عرفانی علوم میں بھی بہرہ وافر رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر حمیداللہ اور والساں کے متعدد خطوط میں سے صرف چند یہاں ان کی عکسی نقول سمیت پیش کیے جا رہے ہیں۔ وہ بھی کسی ترتیب کے ساتھ نہیں بلکہ دستیابی اور ترجمہ ہو جانے کے اعتبار سے ہیں۔ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد صرف یہ امر واضح کرنا ہے کہ اردو کے ایک بڑے ادیب اور نقاد کو فرانس کے کچھ اہل علم کیا مقام دیتے تھے اور ان کے خیالات وآرا کو اپنے ہاں کس اہتمام سے شائع کرتے تھے۔ جبکہ دوسری طرف ہمارے ہاں اردو کے خالص ادیبوں کا یہ حال ہے کہ وہ ہنوز اس بات پر بحث کرتے ہیں کہ عسکری کو فرانسیسی آتی تھی یا نہیں!!!

پہلے مکتوب نگار ڈاکٹر حمیداللہ (۲۰۰۲-۱۹۰۸ء) ہمارے دینی و مذہبی اور دانش ورانہ حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ایک ممتاز مذہبی محقق و عالم اور قرآن پاک کے فرانسیسی مترجم کے طور پر وہ عالم اسلام میں اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر انتہائی منفرد مقام کے حامل تھے۔انہوں نے اپنی ۹۴ سالہ زندگی میں کاملاً ۶۰ برس صرف ومحض تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزار دیئے۔ وطن مالوف حیدرآباد دکن کو ایک دفعہ چھوڑا تو پھر تا زندگی وہاں کا رخ نہ کیا۔ فرانس کو مستقل اپنا مستقر بنا لیا۔ دنیا بھر میں علمی وتعلیمی سفر کیے مگر ایک مخصوص عرصے کے اندر اندر وطن ''نامالوف''، فرانس، کو ضرور لوٹ جاتے تھے۔ ان کے مختصر سے سراپے میں علوم وفنون کے وہ قلزم سمائے ہوئے تھے جو قرون وسطی کے اسلاف کا حصہ تھے۔ جو نرمی اور دھیما پن ان کی طرز گفتار میں تھا وہی ان کی شخصیت کا بھی خاصہ تھا۔ ایسا عجز اور انکسار آج ڈھونڈے سے نہ ملے۔ دنیا بھر کے علمی اداروں اور لوگوں سے ان کے مراسم تھے۔ اپنے ہاتھ سے خط لکھنے اور جواب دینے میں بے مثال تھے۔ اس عالم بے بدل وبے مثال کی علمی مہمات سے تو ایک عالم آگاہ ہے مگر ڈاکٹر حمیداللہ کی اُردو کے ایک ادیب کے بارے میں کیا رائے تھی، جو ایک زمانے میں اپنی افسانہ نگاری کے باعث بدنام رہا اور ایک زمانے میں اپنی دین داری کے باعث متنازعہ، اس کا اندازہ ان کی ایک درج ذیل تحریر سے ہوتا ہے:

> ''عزیز ومحترم حسن عسکری مرحوم سے واقفیت کے بغیر ان کے خاندان سے میرے تعلقات دیرینہ اور بہت قریبی رہے ہیں..... پھر جب آب ودانے کی کشش مجھے پاریس لے آئی تو ایک دن وہاں ایک نومسلم رومانوی عالم وصوفی میشل (مصطفےٰ) والساں مرحوم نے مجھ سے حسن عسکری صاحب کا ذکر کیا اور ان کا ایک مضمون بھی بتایا جو کسی نے

فرانسیسی میں ترجمہ کرکے چھاپا تھا۔ میں نے اس سلسلے میں عسکری صاحب سے خط و کتابت شروع کی جو ان کی ایک نادرِ روزگار صفت کی وجہ سے کہ وہ خط کا فوراً جواب دیا کرتے تھے اور اس کے لیے ہر طرح کی محنت للہ برداشت کیا کرتے تھے، بہت جلد دوستی میں بدل گئی .....

مرحوم اگرچہ تھے انگریزی ادب کے استادمگر ''دیوانہ بہ کار خود ہوشیار'' انگریزی ادب میں بھی اسلامیت ڈھونڈ نکالنے میں ناکام نہ رہے۔ اپنے شاگردوں سے بھی ایسے ہی عنوان پر مقالے لکھایا کرتے تھے جس میں انگریزی ادب کا ہو یا کسی اور علم کا، اسلامی چیزوں سے ربط ضرور نکل آتا تھا۔ ان کے شاگرد ملکی بھی ہوتے تھے اور بیرونی ممالک سے آنے والے بھی۔ اور ہر کوئی ان کی شفقت کا ثنا خواں رہتا پایا گیا۔

ان میں بڑی اپج تھی۔ ایک دن خط لکھ کر مجھے ششدر کر دیا کہ عملی نفسیات اور فائدہ بخش تحلیل نفسی کے لیے ہمارے پرانے صوفیہ کے حالات و تالیفات میں بڑا اہم مواد ملتا ہے اور کہا کہ اس پر روز افزوں توجہ کی ضرورت ہے مجھے قائل ہونا پڑا کہ ان کا خیال بہت درست ہے۔

ان آخری دنوں میں بھی وہ ایک اچھوتے موضوع پر کام کر رہے تھے، اگرچہ میں اس سے محض بیگانہ ہوں اور وہ صوفیہ کے ہاں کی قوالی اور موسیقی تھی اور راگ وغیرہ کے ضمن میں صوفیہ نے علم موسیقی پر خاصا اثر ڈالا ہے اور یہ اثرات خود غیر مسلموں کے گانے بجانے پر موثر بنے ہیں، وغیرہ۔

ان کی وفات حسرت آیات سے ایک اور نہایت اہم چیز بھی مصیبت زدہ ہوگئی ہے۔ حسن عسکری مرحوم کو مفتی محمد شفیع مرحوم سے بڑی عقیدت تھی اور مفتی صاحب کی تفسیر کا انگریزی میں ترجمہ کرنے لگے تھے۔ اور مجھ سے اس بارے میں کچھ خط و کتابت بھی رہی ۔ ترجمے کے متعلق میرے اس اصول سے ان کو کامل اتفاق رہا کہ ترجمہ لفظی اور کامل ہو۔ اس میں مترجم کی طرف سے کوئی حذف و اضافہ نہ ہو۔ قابل ذکر اشیاء، مشکلوں کی تشریح وغیرہ حاشیے میں ہوں چنانچہ میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن کو سامنے رکھتے تھے۔ لیکن ہماری خط و کتابت کا موضوع کچھ اور تھا ۔ مرحوم کا بیان تھا کہ جس انگریزی کو ہم مدرسوں اور کالجوں میں سیکھتے اور پڑھتے رہے وہ اب وفات پا چکی ہے اور ایک نئی انگریزی جنم لے رہی ہے۔ ترجمہ اور تفسیر میں کس انگریزی کو اختیار کیا جائے؟ شیکسپیئر اور ملٹن کی انگریزی کو یا لندن کی بازاری بولی کو جس میں حسن ہے نہ بلاغت؟ میرے جواب کو مرحوم نے قبولیت کا شرف بخشا کہ قرآن مجید کا ترجمہ تو فصیح زبان میں ہونا چاہیے لیکن تفسیر کو عامیانہ اور عام بولی میں لکھا جائے تو زیادہ عام فہم ہوسکتی ہے ہمارے پرانے صوفیہ بھی اپنے اشعار یا نثر کی تالیفوں میں عام فہم بولی ہی برتا کرتے تھے۔

خط و کتابت تو کثرت سے رہی لیکن ملاقات کا مجھے صرف ایک بار موقع ملا۔ مجھے ملیشیا میں کوالالمپور جاتے ہوئے کراچی کو عبور کرنا تھا اور پاکستانی ہوائی جہاز کا وقت نامہ ایسا تھا کہ رات کراچی میں گزارنی تھی۔ میں نے اس کی اطلاع دی تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمائے اور مجھے بتایا کہ انہیں کس طرح اطلاع دوں۔ ہوائی کمپنی کا مسافر خانہ ایرپورٹ کے قریب Inn نامی ہوٹل میں ہے اور وہ کالج گئے ہوئے تھے۔ شام واپس آئے اور میری آمد اور پتے کی

اطلاع پائی تو فوراً تشریف لائے اور کئی گھنٹے مسرت آگیں اور مسرت بخش علمی گفتگو رہی''۔

(مشمولہ محراب، ترتیب: احمد مشتاق، سہیل احمد، مکتبہ محراب، لاہور ۱۹۷۸)

عسکری کے نام ڈاکٹر حمیداللہ کے خطوط پندرہ بیس سے زائد ہیں مگر سردست یہی تین یہاں پیش کئے جا رہے ہیں۔ ان خطوط کے مندرجات پر کچھ باتیں آگے بھی آتی ہیں۔

دوسرے مکتوب نگار میشل والساں، ہمارے ہاں کم معروف بلکہ شاید بالکل ہی گمنام ہیں۔ مگر عسکری صاحب کے دور آخر کے تنقیدی مشاغل جن لوگوں کی نظر میں ہیں اور ان کے تصور روایت سے جن کا کسی طرح کا بھی کوئی معاملہ رہا ہے وہ رینے گینوں کے نام سے ضرور واقف ہیں۔ میشل والساں کا تعلق اسی سلسلہ فکر سے تھا۔ ان کی زندگی کے بارے میں کم معلومات دستیاب ہیں جو مختصراً یہ ہیں:

میشل والساں (Michel Valsan)، پیدائش ۱۹۱۱ء جن کا اسلامی نام مصطفیٰ عبد العزیز تھا بنیادی طور پر رومانیہ سے تعلق رکھنے والے ایک ڈپلومیٹ تھے اور فرانس میں شاذلیہ سلسلہ طریقت سے وابستہ اور رینے گینوں کے حلقہ ارادت میں شامل اہم ترین لوگوں میں سے تھے۔ گینوں نے اپنی زندگی میں جو تحریریں شائع کیں انہی کی تدوین وسعی سے کیں۔ والساں پیرس سے نکلنے والے روایت پسند مکتب فکر کے مجلّے روایتی مطالعات (Etudes Traditionelles) کے ۱۹۴۸ء سے اپنی وفات تک مدیر رہے۔ گینوں کی فکر کی تفہیم و تشریح کے علاوہ انہوں نے اسلامی تصوف اور دوسرے ادیان خصوصاً ہندومت کی روایتی فکر پر متعدد علمی مقالات لکھے اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے کچھ متون کا فرانسیسی میں بھی کثرت سے ترجمہ شائع کیا۔ والساں کے کچھ مقالات کا مجموعہ ایک کتاب کی صورت میں پیرس سے ۱۹۸۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوچکا ہے۔ (L'Islam et La Fonction de Rene Guenon) اس مجموعے میں شامل ایک مقالہ مشرق پر رینے گینوں کے اثرات سے متعلق ہے اور اس میں والساں نے بنیادی طور پر محمد حسن عسکری کی فراہم کردہ معلومات سے استفادہ کیا ہے۔ والساں کا انتقال ۱۹۷۴ء میں پیرس میں ہوا۔ رینے گینوں ہی کے حلقے کے ایک اور اہم رکن فریتھ جوف شوآں، جنہوں نے بعد میں اس فکر کے حوالے سے زیادہ شہرت پائی، سے میشل والساں کے ۵۰ کے عشرے میں رینے گینوں کی بعض تعبیرات کے سلسلے میں اختلاف ہوگئے تھے اور وہ انہیں گینونی فکر کا درست ترجمان نہ سمجھتے تھے۔ محمد حسن عسکری نے رینے گینوں کو ''دریافت'' تو اپنے طور پر ۴۸-۱۹۴۷ میں ہی کر لیا تھا مگر بعد ازاں اسے پوری طرح قبول اپنے ادبی تجربات کی تصدیق کے نتیجے میں کیا تھا۔ عسکری کے ہاں رینے گینوں کی تعبیر شوآں والی نہ تھی بلکہ میشل والساں والی تھی۔ اور شوان و مارٹن لنگز (گینوں کے ایک شوانی ترجمان) کی تحریروں کو عسکری پوری طرح شاید قبول بھی نہیں کرتے تھے۔ اپنے بعض خطوط میں عسکری شوان کو ''عبارت آرائی'' کا شوقین قرار دیتے تھے۔ گینوں/شوآں اختلاف کے پس منظر پر اپنے ایک طویل خط میں والساں نے کچھ نازک مسائل چھیڑے ہیں۔ اردو ترجمہ نہ ہوسکنے کی وجہ سے وہ خط سردست ہم یہاں نہیں دے رہے، اسی طرح عسکری مارٹن لنگز کی ایک کتاب ''شیکسپیر مقدس فنون کی روشنی میں'' پر والساں کے کہنے پر ایک تبصرہ نما تنقیدی مضمون لکھنا چاہتے تھے۔ ان سب کا پس منظر یہی مسئلہ ہے۔ والساں کے ۱۷ر جنوری ۱۹۶۷ کے خط کے کچھ مسائل کا تعلق انہی مباحث سے ہے۔ میشل والساں کی عسکری سے ذہنی قرب کی ایک وجہ یہ بھی یقیناً رہی ہوگی۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر واضح کریں گے والساں اپنے رسالے روایتی مطالعات میں عسکری کی تحریروں کو بہت وقیع مقام دیکر شائع کرتے تھے۔ عسکری کی بعض ایسی تحریروں کے

حواشی والساں خود اور بعض اوقات ڈاکٹر حمیداللہ سے اہتماماً لکھواتے تھے۔

والساں کے عسکری سے یا عسکری کے ان سے تعارف کی ابتداء کے بارے میں سردست یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ غالب امکان ہے کہ عسکری کی رینے گینوں سے دلچسپی اور فرانسیسی زبان و ادب سے عمر بھر کے شغف نے انہیں والساں سے متعارف کرایا ہوگا۔ ڈاکٹر حمیداللہ عسکری کے خاندان سے تو اپنے زمانہ طالب علمی سے واقف تھے مگر عسکری سے ان کا تعارف جیسا کہ ڈاکٹر حمیداللہ کی مندرجہ سطور سے ظاہر ہے والساں نے سن ۶۰ کے عشرے میں کرایا تھا اور پھر انہوں نے از خود عسکری سے خطوط کا سلسلہ جنبانی کیا۔ عسکری کی تحریروں بلکہ خطوط میں والساں اور ان سے خط و کتابت کا ذکر اکثر آتا رہا ہے وہ ان سے دیگر بہت سے امور کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے اپنے ایک خاص سروکار یعنی زبان کی نوعیت، مشرقی خصوصاً اسلامی زبانوں اور ماورائے حسی معاملات کے انسانی زبان میں اظہار کے مسئلے پر خاص طور پر لکھوانا چاہتے تھے کیوں کہ نئے لسانیاتی مباحث کی زد مابعد الطبعیاتی مسائل اور وحی کے معاملات پر ضرور پڑتی ہے۔ عسکری نے اس سلسلے میں ڈاکٹر حمیداللہ سے بھی چند تحریریں لکھوائی تھیں۔ (دیکھئے ڈاکٹر عبادت بریلوی کے نام عسکری کے خطوط)

مسلمان دینی علما اور محققین میں ڈاکٹر حمیداللہ کا تعارف والساں کی نسبت چونکہ زیادہ ہے اس لیے اردو دان طبقے کے لیے عسکری کے نام ڈاکٹر حمیداللہ کے یہ خطوط اس امر کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں وہ خود، والساں اور فرانس کے روایتی مسلمانوں اور اہل دانش حلقوں میں عسکری کی آراء کی کتنی توقیر تھی۔ ایک خط نوشتہ ۵ جمادی الاول ۱۳۹۶ (۴ مئی ۱۹۷۶) میں حمیداللہ نے بہت سے باتوں کے علاوہ عسکری کو لکھا کہ ''میں آپ کی کرامتوں کا پہلے بھی قائل تھا۔ اب اس میں مزید استحکام پیدا ہوگیا ہے۔ ارکون صاحب آپ کے گرویدہ اور مرید ہو چکے ہیں۔'' یوں تو ڈاکٹر حمیداللہ کے خطوط کے بہت سے اشارات کو کھولنے کی ضرورت ہے لیکن اردو کے ادبی حلقوں میں موجود مباحث خصوصاً لسانیات، ساختیات اور ردتشکیل کے پیش نظر ''ارکون'' اور عسکری کے تعلق پر چند کلمات دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔ پاکستان کے ادبی حلقوں میں محمد ارکون کا نام اس وقت سامنے آیا جب ان کے نام عسکری کا ایک طویل ترین خط نوشتہ ۲۵ نومبر ۱۹۷۵ء ان کی وفات کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۷۹ کو ''پاکستان ٹائمز'' کے میگزین سیکشن میں An Orthodox view of Holy Quran کے عنوان سے شائع ہوا۔ بعد ازاں اس مکتوب کا اردو ترجمہ مع حواشی از مظفر علی سید، معاصر، لاہور ۱۹۸۳ء میں ''تفسیر قرآن اور فلسفہ جدید'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ بہت بعد میں اسی مکتوب کا انگریزی متن ۱۹۹۲ میں کراچی سے قیصر عالم نے اپنے رسالے *Studies in Tradition*, Jan_March, 1992 میں بھی شائع کیا تھا۔

محمد ارکون، ایک ممتاز الجزائری عالم، نے جو فرانس کی مختلف یونیورسٹیوں میں فلسفہ تمدن و تقابلی مذہبیات میں تحصیل علم کے بعد پیرس یونیورسٹی نمبر۳ میں فلسفہ اسلام کے استاد رہے، ایک عیسائی ماہر اسلامیات کے فرانسیسی ترجمہ قرآن پر ایک عالمانہ دیباچہ تحریر کیا تھا جس میں انہوں نے اپنے تئیں اُس وقت کے نئے لسانی مباحث خصوصاً ساختیات کے نقطہ نظر سے قرآن فہمی کی نئی راہ کھولنے کی کوشش کی تھی۔ عسکری کا اس دیباچے سے تعارف ان کی فرانسیسی میں ایک شاگرلبنٰی کے ذریعے ہوا اور بعد ازاں فرانس کے علمی و ادبی حلقوں میں عسکری کی ان مسائل سے دلچسپی کا ذکر سن کر محمد ارکون نے یہ دیباچہ ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے خود ان کو بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں عسکری نے اپنے ادبی تجربات کی روشنی میں، جس نے انہیں مغربی ادب کے مطالعے کے دوران مغرب کی دو ہزار سالہ فکری

تاریخ کی کروٹوں سے اس حد تک آگاہ کر رکھا تھا کہ وہ بقول شمس الرحمٰن کسی بھی مسئلے کے بیچ کے مراحل کو یک لخت پار کر کے درست نتائج تک پہنچ جانے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے تھے، ارکون کو محولہ بالا خط لکھا تھا۔ تفسیر قرآن میں جدید لسانی موشگافیوں کے مضمرات اور خطرات کے حوالے سے اس خط میں آمدہ عسکری کی نکتہ طرازیاں تو آج ۴۰ برس بعد بھی بے مثل و بے نظیر ہی ہیں۔ اور ہمارے طبقہ ادبا کو درپیش مسائل سے بارہ پتھر باہر کی چیزیں ہیں۔ اس ایک خط میں لسانیات و ساختیات کی بنیادوں میں کارفرما مضمرات کی طرف عسکری نے جو وقیع اشارے کئے ہیں ان کے پیش نظر انہیں دیگر بہت سے مباحث کے ساتھ ساتھ اردو میں ساختیات کے مباحث کا بانی بھی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں ان مباحث پر کوئی تفصیلی بحث کئے بغیر صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ اس خط کو پڑھنے کے بعد ہی ارکون صاحب بقول ڈاکٹر حمیداللہ عسکری کے ''گرویدہ اور مرید'' اور خود ڈاکٹر صاحب ان کی ''کرامتوں کے پہلے سے زیادہ قائل'' ہوگئے تھے۔ عسکری کے نام نو دریافت خطوط کے اس ذخیرے میں ارکون کا ایک انگریزی اور تین فرانسیسی خطوط بھی ہیں جنہیں ''معیار'' کے آئندہ شمارے میں عسکری کے ''تفسیر قرآن اور فلسفہ جدید'' والے خط کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔

اسی طرح ڈاکٹر حمیداللہ کے خط ایک خط ۲۲ جمادی الاخرہ ۱۳۸۶ (۸ اکتوبر ۱۹۶۶) میں میشل والساں کے بارے میں بھی چند کلمات ہیں، جن کی وضاحت آگے والساں کے خطوط میں ازخود بھی ہو جائے گی لیکن یہاں بھی چند کلمات پس منظری وضاحت کے لیے مفید رہیں گے۔ عسکری صاحب کے ایک فرانسیسی دوست پروفیسر گمبر یتیے (Andre guimbretiere) نے ان کے مضمون ''ابن عربی اور کیر کے گور'' (مشمولہ وقت کی راگنی از عسکری) کا فرانسیسی کے ایک مجلّے مابعد الطبعات و اخلاقیات کے جنوری ۱۹۶۳ کے شمارے میں شائع کیا تھا جس پر وہاں کے اہل دانش بشمول آن ری کوربن تک نے عسکری کے خیالات پر سلسلہ آگے بڑھایا (اسی کی طرف ڈاکٹر حمیداللہ کے سابقہ صفحات میں دیئے گئے خط میں بھی اشارہ ہے) اور پھر میشل والساں کے مجلّے روایتی مطالعات میں بھی ''روایت اور جدیدیت دنیائے پاک و ہند میں'' کے موضوع پر عسکری کے خطوط نما مقالات فرانسیسی میں چھپنے شروع ہوئے۔ یہ تفصیلات عسکری کے ارکون کے نام محولہ بالا خط اور ڈاکٹر حمیداللہ کے نام عسکری کے ایک واحد دستیاب خط (مشمولہ مکاتیب عسکری) میں موجود ہیں۔ والساں کے عسکری کے نام آنے والے خطوط میں بھی یہ اشارات بکثرت آئے ہیں۔ یاد رہے کہ موخر بحوالہ مضمون بعد ازاں *Studies in Tradition*, Karachi, Apr-Jun,1992 میں نعمانہ امجد نے براہ راست فرانسیسی سے انگریزی ترجمے کی صورت میں شائع کیا تھا۔ عسکری کے اس خط/ مقالے پر ڈاکٹر حمیداللہ نے بھی بعض حواشی لکھے تھے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو *Studies in Tradition*, Apr-Jun,1992) ڈاکٹر حمیداللہ اور میشل والساں کے کچھ مضامین عسکری فرانسیسی سے اردو میں بھی ترجمہ کرتے رہے ہیں۔ جن میں سے چند البلاغ، کراچی میں چھپے اور کچھ اورینٹل کالج میگزین، لاہور میں شائع ہوئے۔ ان میں سے اکثر مقالات اب ترجمہ کی صورت میں عسکری صاحب کے بعد از وفات شائع ہونے والے دو جلدی مجموعے مقالات محمد حسن عسکری میں شامل ہیں۔

ڈاکٹر حمیداللہ اور والساں کے ان خطوط میں ایک دوسرے کے لیے اور خود عسکری کے لیے خیر سگالی کے جذبات کا بکثرت اظہار ہوا ہے۔ اور خود والساں بھی عسکری سے دوستی و تعلق پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔ ان خطوط سے ان دونوں صاحبان علم کی ایک اور جس نادر خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے وہ ان کا انکسار ہے۔ والساں کے اکثر خطوط کا اختتام اس طرح کے جملوں پر ہوتا ہے: ''اپنے رب کے محتاج بندے، آپ کے بھائی کی طرف سے'' اور ڈاکٹر حمیداللہ کی منکسر المزاجی تو یکے از نوادراتِ زمانہ میں سے تھی۔ وہ اپنے بعض

فرانسیسی مضامین کے خود کردہ اردو ترجمے کے بارے عسکری کو لکھتے ہیں ''ترجمے کی آپ وہاں نظر ثانی کرلیں کہ اردو میری مادری زبان نہیں (دکھنی ہے)''، ڈاکٹر حمیداللہ کے علمی مقام اور کئی زبانوں پر مہارت کو دیکھتے ہوئے ان کا یہ جملہ نہایت پر لطف تاثر دیتا ہے۔

امید ہے کہ ان تعارفی سطور سے ان خطوط کے پس منظر پر کچھ روشنی پڑے گی۔ باقی جہاں تک والساں کے خطوط میں آنے والے مباحث کا تعلق ہے ان سے ادارہ ''معیار'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اشارہ کیا گیا کہ عسکری اردو کے ایسے ادیب تھے جن کے قلم سے شاید ہی کوئی ایسا جملہ یا فقرہ نکلا ہو جس نے ادبی دنیا میں ہلچل نہ پیدا کی ہو۔ زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی وہ اردو دنیا کے سب سے زیادہ متاثر کن، مثبت و منفی دونوں معنی میں، نقاد رہے۔ ان کی بعد از مرگ چھپنے والی ایک کتاب جدیدیت نے جس کی حیثیت محض عسکری کے درسی اشارات کی تھی، کئی برسوں تک دینی و ادبی حلقوں میں ہنگامہ اٹھائے رکھا۔ اسی طرح ان کے خطوط کے مجموعے بھی جب شائع ہوئے تو عسکری کے سرسری انداز میں لکھے گئے جملوں پر صفدر میر جیسے بڑے نقاد شدید ردعمل کا اظہار کرتے رہے تھے۔ اب امید ہے کہ عسکری کے نام آئے خطوط کی اشاعت بھی اردو کے ادبی و فکری حلقوں میں نئے مباحث یا پرانے مباحث کو نئے انداز میں چھیڑے جانے کا باعث بنے گی۔ تحقیق و تنقید کی بزم کی رونق بعد از مرگ بھی زندہ رہنے والے ایسے ہی لوگوں اور ان کے اٹھائے گئے مسائل کے دم سے ہوتی ہے۔

مدیر